یتیم پوتے کی وراثت

(۱)

عمر احمد عثمانی

” اولاد ،، کا مفہوم و معنی

(سوال)

” دادا کی زندگی میں اگر کسی کا باپ مرجائے تو پوتے کو وراثت میں سے کوئی حق نہیں پہنچتا ۔ یہ مشہور شرعی مسئلہ ہے جس پر اس وقت کی حکومت کی طرف سے عمل ہو رہا ہے ۔ اس بارے میں مختلف مسالک کیا ہیں اور آپ کس مسلک کو مزاج اسلامی سے قریب تر خیال فرماتے ہیں ۔ اگر آپ کا مسلک بھی مذکورہ ہی ہے تو اس الزام سے بچنے کی کیا صورت ہے کہ اسلامی نظام جو یتیم کی دستگیری کا اس قدر مدعی ہے ایک یتیم کو محض اس لئے دادا کی وراثت سے محروم قرار دیتا ہے کہ وہ اپنے باپ کو دادا کی وفات سے بعد تک زندہ نہ رکھ سکا ۔ ،،

(جواب)

فقہائے اسلام میں یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ دادا کی موجودگی میں جس پوتے کا باپ مر گیا ہو ، وہ وارث نہیں ہوتا ۔ بلکہ وارث اس کے چچا ہوتے ہیں ۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے اس میں شیعوں کے سوا کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا ہے ۔ اگرچہ ابھی تک مجھے قرآن و حدیث میں کوئی ایسا صریحی حکم نہیں ملا ہے جسے فقہاء کے اس متفقہ فیصلہ کی بناء قرار دیا جا سکے ۔ لیکن بجائے خود یہ بات کہ فقہائے امت سلف سے خلف تک اس پر متفق ہیں، اس کو اتنا قوی کر دیتی ہے کہ اس کے خلاف کوئی رائے دینا مشکل ہے ۔ ویسے بھی یہ بات معقول معلوم ہوتی ہے ۔ کیونکہ پوتا بہرحال اپنے باپ کے واسطہ ہی سے دادا کے مال میں حقدار ہوسکتا ہے نہ کہ براہ راست خود ۔ اسی طرح بہو اپنے شوہر کے واسطہ سے خسر کے مال میں سے حصہ پا سکتی ہے نہ کہ

براہ راست خود۔ اگر ایک شخص کا بیٹا اسکی زندگی میں مرجائے اور وہ شادی شدہ نہ ہو تو آپ خود مانیں گے کہ اس کا حصہ ساقط ہوجائیگا۔ یہ نہیں کہ اس کے مرنے پر اس کے ترکہ میں سے اس کے فوت شدہ بیٹے کا حصہ بھی نکالا جائے اور پھر اسکی میراث اسکی ماں اور اس کے بھائیوں وغیرہ کو پہنچائی جائے ۔ اسی طرح اگر فوت شدہ لڑکے کی کوئی بیوی موجود ہو تو آپ خود مانیں گے کہ وہ اپنے خسر کے ترکہ میں سے حصہ پانے کی مستحق نہیں ہے۔ قطع نظر اس سے کہ اس کا نکاح ثانی ہوا ہو یا نہ ہوا ہو پھر آپ کو کیوں اصرار ہے کہ صرف اسکا بیٹا موجود ہونے کی صورت میں اس کا حصہ ساقط نہ ہو ۔ بلکہ وہ اس کے بیٹے کو پہنچے؟

رہا یتیم کی پرورش کا سوال تو شریعت کی رو سے اس کے چچا اس کے ولی ہوتے ہیں اور ان پر اس کا حق ہے کہ وہ اسکی پرورش کا انتظام کریں ۔ نیز شریعت نے وصیت کا حکم اسی لئے دیا ہے کہ اگر کوئی مرنے والا شخص اپنے پیچھے مال چھوڑ رہا ہو اور اس کے خاندان میں کچھ لوگ مستحق موجود ہوں تو وہ ان کے حق میں وصیت کرے ۔ ۱/۳ (ایک تہائی) مال کی حد تک وہ وصیت کر سکتا ہے۔ اور اس میں یہ گنجائش موجود ہے کہ اگر وہ کوئی یتیم پوتا چھوڑ رہا ہے ، یا کوئی بیوہ بہو چھوڑ رہا ہے جو بے سہارا ہو' یا کوئی بیوہ بھاوج یا غریب بھائی یا بیوہ بہن چھوڑ رہا ہے تو ان کیلئے وصیت کر جائے یہ گنجائش اس لئے رکھی گئی ہے کہ قانونی وارثوں کے سوا خاندان میں جو لوگ مدد کے محتاج ہوں ان کی مدد کا انتظام کیا جا سکے ۔

(رسالہ ترجمان القرآن بابت ماہ مارچ ۱۹۵۲ع)

یہ سوال و جواب مارچ ۵۲ع کے ترجمان القرآن میں شایع ہوا تھا ۔ اور جواب ہمارے دور کے ایک بڑے مفکر اور بلند پایہ عالم مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب مدظلہ کا تحریر فرمودہ ہے ۔ ہم نے یہ طویل اقتباس اسلئے نقل کیا ہے کہ مولانا موصوف علماء کے ایک بڑے طبقہ کی نمائندگی فرماتے ہیں ۔ اور واقعہ یہ ہے کہ سنہ ۱۹۵۲ع سے لیکر آج تک علماء کرام کیطرف سے اس بارہ سال کے عرصہ میں اس موضوع پر جو کچھ شایع ہوتا رہا ہے وہ انہی باتوں کی صدائے باز گشت ہے جو مولانا نے اپنے جواب میں تحریر فرما دی تھی۔

آج تک اس پر کوئی اضافہ نہیں ہو سکا ۔ لہذا ہمیں اپنے اس مطالعہ میں انہی امور کا جائزہ لینا ہوگا ۔ اگر یہ تمام باتیں صحیح ہیں تو یتیم پوتے کی وراثت سے محرومی بھی صحیح ہے اور اگر ان باتوں میں کوئی ستم یا غلط فہمی ہے تو یتیم پوتے کی وراثت سے محرومی بھی غلط ہے ۔

اس سلسلہ میں آپ سب سے پہلے تو یہ دیکھئے کہ مولانا موصوف نے اپنے اس جواب میں اس امر کا اعتراف فرما لیا ہے کہ **مولانا موصوف کو اپنی انتہائی کوشش کے باوجود قرآن و حدیث میں ایسا کوئی صریح حکم نہیں ملا جسے فقہاء کے اس متفقہ فیصلہ کی بنیاد قرار دیا جاسکے** ۔ اور نہ صرف یہ کہ مولانا موصوف ہی کو ایسا کوئی صریح حکم نہیں مل سکا جسے فقہاء کے اس متفقہ فیصلہ کی بنیاد کہا جا سکے بلکہ اس پورے بارہ سال کے عرصہ میں پورے ملک میں کسی دوسرے عالم دین نے بھی آج تک نہ کوئی قرآن کریم کی صریح آیت پیش فرمائی ہے اور نہ کوئی صریح اور صحیح حدیث نبوی ۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ پورے پاکستان میں کسی عالم دین کو بھی آج تک کوئی قرآن و حدیث کا ایسا صریح حکم نہیں مل سکا جسے فقہاء کے اس متفقہ فیصلہ کی بنیاد بنایا جا سکے ۔

یہ ہے اس مسئلہ کی صحیح علمی حیثیت ۔

لیکن مولانا مودودی صاحب کو سب سے بڑا اشکال جو در پیش ہے وہ انہی کے اپنے الفاظ میں یہ ہے کہ ۔

> ” فقہائے اسلام میں یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ دادا کی موجودگی میں جس پوتے کا باپ مر گیا ہو ، وہ وراث نہیں ہوتا ۔ بلکہ وارث اس کے چچا ہوتے ہیں ۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے اس میں شیعوں کے سوا کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا ہے .... بجائے خود یہ بات کہ فقہائے امت سلف سے خلف تک اس پر متفق ہیں ، اس کو اتنا ہی قوی کر دیتی ہے کہ اس کے خلاف کوئی رائے دینا مشکل ہے “ ۔

اسی سلسلہ میں ایک اور صاحب رقم طراز ہیں کہ

اسلامی شریعت کا تیسرا ماخذ ''اجماع امت'' ھے - یہ ایک متفقہ مسئلہ ھےکہ جس چیز پر تمام صحابہ کرام اور تابعین عظام نے اتفاق کر کے کوئی رائے دی ھو - اس کے خلاف کوئی رائے پیش کرنا جائز نہیں - ''اجماع امت'' کا دین میں حجت (Authority) ھونا خود قرآن و حدیث سے ثابت ھے -

(ھمارے عائلی مسائل ' ص ۳۸ از محمد تقی صاحب مطبوعہ دارالاشاعت کراچی) -

مولانا مودودی صاحب نے اگرچہ محمد تقی صاحب کی طرح کھل کر اجماع کا نام نہیں لیا - لیکن بظاھر ان کا اشارہ بھی اسی طرف ھے - اس سلسلہ میں میں ان تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ اجماع کے سلسلہ میں ھمارے فقہاء کے درمیان کس قدر شدید اختلافات ھیں - فقہاء کی ایک بڑی جماعت اجماع کو سرے سے دین میں حجت تسلیم ھی نہیں کرتی - پھر جن حضرات فقہاء نے اجماع کو تسلیم فرمایا ھے انہوں نے بھی اس کے لئے کتنی شدید شرطیں رکھی ھیں - پھر یہ بھی کہ ان میں سے اکثر کے نزدیک ہر عہد کا اجماع قابل تسلیم نہیں ھوتا بلکہ صرف حضرات صحابہ رض ھی کا اجماع حجت ھو سکتا ھے - اور یہ بھی کہ ان میں سے بہت سوں کے نزدیک ہر دور کا اجماع صرف اسی دور کے لئے حجت ھوتا ھے - بعد والوں کو اس سے اختلاف کرنے کی گنجائش باقی رھتی ھے - وغیرہ وغیرہ - یہ تمام ابحاث اصول فقہ کی ہر کتاب میں دیکھی جا سکتی ھیں - میں اس موقعہ پر صرف دو اقتباسات پیش کرنے پر اکتفاء کروں گا - جن میں سے ایک اقتباس مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کا ھے جو انہوں نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی وضاحت کے سلسلہ میں تحریر فرمایا ھے اور دوسرا اقتباس خود حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا ھے - شاہ صاحب کا موقف اس ضمن میں میرے نزدیک انتہائی معتدل اور اقرب بہ صواب ھے -

مولانا عبید اللہ سندھی رح فرماتے ھیں کہ

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے خلافت راشدہ کے آخری وقت یعنی شہادت عثمان رض (سنہ ۳۵ھ) تک شاہ صاحب کی تحقیق میں مسلمانوں میں کبھی اختلاف نہیں ہوا ۔ اس دور کو وہ دور اجماع کہتے ہیں ۔ اس کی تفصیل " ازالۃ الخفاء " میں مذکور ہے ۔ شہادت حضرت عثمان رض کے بعد اختلاف شروع ہوا ۔ اب اجماع وہی مستند ہوگا جو مذکورہ دور اول کے تتبع میں منعقد ہو ۔ شاہ صاحب اسی دور کو خیر القرون قرار دیتے ہیں ۔ اس کی پوری تفصیل " ازالۃ الخفاء " میں موجود ہے "

(ماہنامہ " الفرقان " بریلی - شاہ ولی اللہ نمبر)

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے نزدیک اجماع وہی مستند ہے جو سنہ ۳۵ھ تک ہو چکا ہو یا اگر بعد میں ہوا تو اسی دور اول کے تتبع میں ہوا ہو ۔

اس کے بعد خود حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد یہ ہے کہ

" اور اسباب تحریف میں اجماع کی پیروی ہے ۔ اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ حاملین دین کا ایک فرقہ (گروہ ۔ جماعت) جن کی نسبت عام لوگوں کا یہ گمان ہو کہ ان کی رائے اکثر یا ہمیشہ درست ہوتی ہے ، کسی امر پر اتفاق کر لے ۔ اور اس اتفاق سے یہ خیال کیا جائے کہ ثبوت حکم کے لئے یہ اتفاق قطعی دلیل ہے ۔ اور یہ اجماع ایسے امر میں ہے جس کی قرآن و حدیث میں کوئی اصل نہیں ملتی ۔ یہ اجماع اس اجماع کے علاوہ ہے جس پر امت کا اتفاق ہے ۔ کیونکہ سب کے سب لوگ ایسے اجماع پر متفق ہیں جس کی سند قرآن و حدیث میں ہو ۔ یا ان دونوں میں سے کسی نہ کسی سے مستنبط ہو ۔ اور لوگوں نے ایسے اجماع کو جائز قرار نہیں دیا جس کی سند قرآن و حدیث میں کوئی بھی نہ ہو ۔ چنانچہ اس قول الٰہی میں اسی طرف اشارہ ہے ۔ " اور جب کفار سے کہا جاتا ہے

کہ ان چیزوں پر ایمان لے آؤ جو خدا تعالی نے نازل کی ہیں تو وہ یہی جواب دیتے ہیں کہ ہم تو انہی باتوں کی پیروی کریں گے جن پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے ''۔

(اردو ترجمہ حجۃ اللہ البالغۃ ج ۱ ، ص ۲۰۸ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی) ۔

اس سے واضح ہو گیا ہوگا کہ حضرت شاہ صاحب کے نزدیک وہی اجماع حجت ہو سکتا ہے اور وہی فقہائے اسلام کے درمیان متفق علیہ بھی ہے جس کی سند قرآن و حدیث سے ملتی ہو یا وہ ان دونوں میں سے کسی ایک سے مستنبط ہو ۔ ورنہ حضرت شاہ صاحب رح کی تصریح کے مطابق ہر وہ اجماع جس کی سند قرآن و حدیث سے نہ مل سکے یا وہ ان میں سے کسی ایک سے بھی مستنبط نہ ہو تو وہ فقہاء کے نزدیک ناجائز ہے ۔ اور شاہ صاحب رح اسے اسباب تحریف میں سے ایک سبب شمار فرماتے ہیں ۔

ان تصریحات کی روشنی میں ہمیں اس بات کا جائزہ لینا ہوگا کہ ۔

(۱) کیا شہادت حضرت عثمان رض سے پہلے پہلے حضرات صحابہ کرام نے کبھی کسی ایک مقام پر جمع ہو کر بالاتفاق اپنے اس فیصلہ کا اعلان فرمایا تھا کہ ہم اس امر پر اجماع کرتے ہیں کہ یتیم پوتا اپنے دادا کی میراث سے حصہ نہیں پا سکے گا اور سارا ترکہ اس کے چچا کو مل جائے گا ؟ اگر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے ایسا کوئی اعلان شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے پہلے فرمایا تھا تو وہ کہاں ہے ؟ اس کی نشاندھی کی جانی چاہئے ۔

(۲) اگر ایسا کوئی اجماع منعقد ہو چکا ہے تو اسکی سند قرآن کریم کی کونسی آیت سے یا حضور اکرم صلے اللہ علیہ و سلم کے کونسے ارشاد سے ملتی ہے ۔ یا وہ کونسی قرآنی آیت یا کونسی حدیث نبوی سے مستنبط ہے ؟ کیونکہ حضرت شاہ صاحب کی تصریح کے مطابق اس کے بغیر فقہاء کرام کے نزدیک کوئی اجماع حجت نہیں ہوسکتا ۔

(۳) اگر ایسی کوئی بات نہیں ہے (اور ظاہر یہی ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے) تو کیا ایسے کسی اجماع یا اتفاق کو جسکی نہ قرآن و حدیث سے سند مل سکے اور نہ ہی وہ قرآن و حدیث سے مستنبط ہو، فقہاء کے متفقہ فیصلہ کی بناء پر جائز کہا جاسکتا ہے؟

(۴) کیا ایسے کسی اتفاق یا اجماع کو جو قرآن و حدیث سے مستند یا مستنبط نہ ہو، حضرت شاہ صاحب رح کے الفاظ میں (کیونکہ یہ بات کسی دوسرے آدمی کے بس کی بات نہیں تھی - اسے شاہ صاحب رح جیسا آدمی ہی کہہ سکتا تھا) اسباب تحریف میں سے ایک سبب شمار نہیں کیا جائیگا؟

واضح رہے کہ سنہ ۱۹۵۲ع میں مولانا سید ابوالا علی مودودی نے اس امر کا کھلے الفاظ میں اعتراف فرمایا تھا کہ — "**ابھی تک مجھے قرآن و حدیث میں کوئی ایسا صریحی حکم نہیں ملا ہے جسے فقہاء کے اس متفقہ فیصلہ کی بناء قرار دیا جاسکے**" — اور اس کے بعد سے آج تک بھی نہ مولانا موصوف کو قرآن و حدیث سے ایسا کوئی شرعی حکم مل سکا ہے اور نہ کسی دوسرے عالم دین کو (جہاں تک ہماری معلومات اور مطالع کا تعلق ہے) جسے اس متفقہ فیصلہ کی سند قرار دیا جاسکے یا جس سے اسے مستنبط مانا جاسکے، تو ایسی صورت میں فقہی مسلمات کے مطابق علمی طور پر فقہاء کے اس متفقہ فیصلہ کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟ - کیا حضرت مولانا اور دیگر حضرات علمائے کرام سے یہ توقع رکھنا بیجا ہوگا کہ وہ فقہاء کے اس متفقہ فیصلہ کی اس علمی حیثیت پر بھی غور و تدبر فرما سکیں گے؟

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہر قوم کو اپنے اسلاف اور ان کے فیصلوں کے ساتھ ایک شدید قسم کا جذباتی لگاؤ ہوتا ہے - اور علمی انداز پر اس جذباتی لگاؤ سے بلند تر ہوکر مسائل پر غور و تدبر کرنا "من عزم الا مور" میں داخل ہے - لیکن ہمیں یہ بات نظر انداز نہیں کرنی چاہیے کہ اختلاف رائے ہی سے علمی ترقی کے میدان میں وہ گلہائے رنگا رنگ کھلے ہیں جن سے آج علم کا وقار قائم ہے - امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بہت سے مسائل میں اگر امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما اختلاف نہ فرماتے تو کیا

فقه حنفی اس بلند مقام پر پہنچ سکتی تھی جس پر آج فائز ہے ؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ خود حضرت امام محمد رح اور امام ابو یوسف رح کے خوشہ چینوں میں سے ھیں - لیکن انھوں اپنے ان دونوں استادوں اور استاذالاساتذہ سے اختلاف کر کے فقہ کے ایک قطعاً نئے اسکول کی بنیاد ڈالی - اس سے یقیناً علم میں ترقی اور اضافہ ھی ھوا - کوئی نقصان یا زوال نہیں آیا - ان کے بعد امام شافعی رح کے شاگرد رشید امام احمد ابن حنبل رح کا دور آیا - انھوں نے اپنے استاد سے بیشمار مسائل مین اختلاف کیا اور ایک بالکل ھی نئے فقہی مکتب فکر کی بنیاد رکھی-فقہ کے علم میں، اس جدید اختلاف سے بھی کچھ ترقی ھی ھوئی نقصان نہیں پہنچا - حضرات امام محمد رح اور امام ابو یوسف رح نے اپنے جلیل القدر استاد کے فقہی حریف امام مالک کے سامنے زانوئے ادب طے کیا اور ایک مختلف مکتب فکر کی بات سننے اور اسے سمجھنے سے ان کو علمی عصبیت مانع نہیں آئی - اس سے ان دونوں حضرات کے انداز فکر میں جو وسعت و عمق پیدا ھوا وہ اھل علم سے مخفی نہیں ھے - امام اعظم رح اور امام مالک رح کا شرف تلمذ ان دونوں حضرات کو اپنے دونوں استادوں کے فیصلوں پر تنقید و محاکمہ اور اختلاف سے مانع نہیں ھوا - واقعہ یہ ھے کہ ان اختلافات نے ھی ھماری فقہ کو اس بلند مقام پر پہنچایا ھے کہ آج اسے بڑے فخر کے ساتھ دنیا کی تمام قانونی کاوشوں کے مقابلہ میں رکھا جاسکتا ھے اور ھمارا عقیدہ ھے کہ اس مقابلہ میں اسلامی فقہ کا پلڑا ھی بھاری رھے گا - لہذا ھم سمجھتے ھیں کہ علمی فکر و تدبر کو اس جذباتی لگاؤ سے ھمیں الگ ھی رکھنا چاھئے - اور علمی ترقی کے سلسلے میں ھمارا قدم برابر آگے ھی آگے بڑھتے رھنا چاھئے - ھمارے دل میں مولانا مودودی کے اس جذبۂ احترام و تقدیس کی بڑی قدر ھے جو انھوں نے فقہائے امت کے لئے اس مسئلہ کے ضمن میں ظاھر فرمایا ھے اور ھم انھیں یقین دلانا چاھتے ھیں کہ اس جذبہ میں ھم خود بھی ان سے پیچھے نہیں ھیں - واقعہ یہ ھے کہ ھمارا علم و تفقہ اپنی پوری بے مائیگی کے ساتھ اس علم و تفقہ کا پاسنگ بھی نہیں ھے جو ھمارے فقہائے کرام کا حصہ تھا - لیکن اس کے باوجود ھمارا یہ عقیدہ ھے وہ حضرات بہر حال انسان تھے فرشتے اور معصوم نہیں تھے - لہذا علمی دیانت کا تقاضا

یہی ہے کہ مسائل کی تحقیق میں ہم ان جذبات سے بلند ہو کر غور و فکر کریں - اس کے بعد آئیے ہم اصل مسئلہ پر غور کریں - مسئلہ کی صورت یہ ہے -

زید

(عمرو) (بیٹا جو مر گیا) — بکر (بیٹا جو زندہ ہے)

حامد (یتیم پوتا) — خالد (پوتا)

زید کی زندگی میں عمرو ، فوت ہو گیا - اس کے بعد زید وفات پا گیا - زید کی وفات کے وقت اس کا بیٹا بکر ، زندہ ہے - اور عمرو کا بیٹا ، حامد بھی زندہ ہے - جیسا کہ بکر کا بیٹا خالد بھی زندہ ہے - ہمارے علمائے کرام کا ارشاد ہے کہ زید کا پورا ترکہ زید کے بیٹے '' بکر'' کو مل جائے گا - خالد کو اس لئے کچھ نہیں ملے گا کہ اس کا باپ '' بکر'' (جو حاجب ہے) زندہ موجود ہے - اور حامد کو اس لئے کچھ نہیں ملے گا کہ اس کا باپ '' عمرو'' (جو حاجب ہو سکتا تھا) زندہ نہیں رہا - اس کی وجہ ہمارے علمائے کرام نے یہ بتائی ہے کہ حامد ، اپنے باپ عمرو ہی کے واسطہ سے زید کا وارث ہو سکتا تھا - نہ کہ براہ راست خود - اور چونکہ وہ واسطہ ہی باقی نہیں رہا جس کی وجہ سے وہ وارث ہو سکتا تھا اس لئے اب حامد کے وارث ہونے کا سوال ہی باقی نہیں رہا - لیکن یہ بات بنیادی طور پر غلط ہے - ذرا ذیل کے نقشہ کو دیکھئے -

زید

(عمرو) (بیٹا جو فوت ہو گیا) — بکر (بیٹا جو فوت ہو گیا)

حامد (یتیم پوتا) — خالد (یتیم پوتا)

اس صورت میں دونوں پوتے ، حامد اور خالد ، زید کے وارث ہوتے ہیں - اگر یہ دونوں اپنے باپوں ہی کے واسطہ سے وارث ہو سکتے تھے - نہ کہ براہ راست خود - تو جب ان دونوں کا درمیانی واسطہ باقی نہیں رہا تو اب یہ

دونوں کس اصول سے وارث ہو گئے ؟ نیز یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اگر حامد اور خالد کے والدین کو زندہ تصور کر کے ان کا ترکہ ان کے بیٹوں حامد اور خالد کو دلوایا جاتا ہے، تو کیا اس میں سے عمرو اور بکر کی بیویوں کا ترکہ بھی نکالا جاتا ہے ؟ جیسا کہ مولانا مودودی صاحب نے معارضہ پیش فرمایا ہے۔ اگر نہیں نکالا جاتا اور یقیناً نہیں نکالا جاتا تو وہ معارضہ اب کہاں چلا گیا ۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ مفروضہ اپنی جگہ پر صحیح نہیں تھا کہ پوتا اپنے دادا کے ترکہ کا اپنے باپ کے واسطہ سے وارث ہوتا ہے ۔ بلکہ اصول یہ ہے کہ پوتا اپنے دادا کے ترکہ سے براہ راست حصہ پاتا ہے بشرطیکہ درمیانی واسطہ (حاجب) موجود نہ ہو۔ اگر درمیانی واسطہ موجود ہو تو وہ حاجب بن جاتا ہے اور پوتے کو ترکہ سے محروم کر دیتا ہے ۔

یہ مفروضہ کہ ''پوتا بہر حال اپنے باپ ہی کے واسطہ سے دادا کے مال میں حقدار ہو سکتا ہے ، نہ کہ براہ راست خود ۔ در اصل خود اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ پوتا '' اولاد '' کے مفہوم میں حقیقی معنوں کے اعتبار سے داخل نہیں ہے ۔ بلکہ وہ اپنے باپ کے واسطہ سے مجازاً اپنے دادا کی اولاد شمار ہوتا ہے ۔ قرآن کریم نے (یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین : خدا تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں وصیت کرتا ہے کہ ایک مرد کو دو عورتوں کا برابر حصہ ملے گا) میں '' اولاد '' کو وارث بتایا ہے ۔ پوتا چونکہ ''اولاد'' کے حقیقی معنی کے اعتبار سے دادا کی اولاد نہیں ہوتا ۔ لہذا حقیقی اولاد کے ہوتے ہوئے اسے وارث بھی نہ ہونا چاہئے ۔ اس سلسلہ میں اس اصول کا حوالہ دیا جاتا ہے کہ کسی لفظ کے مجازی معنے اسی وقت مراد لئے جاسکتے ہیں جب کہ حقیقی معنے مراد لینا متعذر ہوں ۔ نیز یہ بھی کہ ایک ہی لفظ کے حقیقی اور مجازی دونوں معنی بیک وقت مراد لے لینا اصولا صحیح نہیں ہے ۔ لہذا جب متوفی کے کوئی صلبی اولاد موجود ہو اور وہ '' اولاد '' کے لفظ سے مراد لے لی گئی ہو تو پھر پوتے کو بھی '' اولاد '' کے مفہوم میں داخل کر کے وارث نہیں بنایا جاسکتا ۔

یہ ایک اصولی بحث ہے جس کا ہمیں تفصیل کے ساتھ جائزہ لینا ہوگا ۔

ہمارا خیال ہے کہ یہ مفروضہ صحیح نہیں ہے - جہاں تک ہمارے مطالعہ کا متعلق ہے، قرآن کریم نے پوتے، پڑ پوتے اور نیچے تک تمام پوتوں کو "اولاد" کے مفہوم میں براہ راست داخل کیا ہے -

اس کے علاوہ ایک دوسرا اصول جو یتیم پوتے کو دادا کی وراثت سے محروم کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے وہ فقہ کے حجب حرمان کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ قریبی رشتہ دار کے ہوتے ہوئے دور کا رشتہ دار وراثت سے محروم ہو جاتا ہے - یہ اصول "الاقرب فالاقرب" کے نام سے مشہور ہے - لہذا جب قریبی رشتہ دار، یعنی صلبی بیٹا موجود ہو تو دور کا رشتہ دار یعنی یتیم پوتا اس کا وارث نہیں ہوگا - صرف یہی دو بنیادی اصول ہیں جن کی بناء پر یتیم پوتوں کو وراثت سے محروم کیا جاتا ہے - ہم اپنے اس مقالہ میں انہی دو اصولوں سے بحث کریں گے - سب سے پہلے ہم اس اصولی بحث کو لیں گے جس میں بتایا گیا ہے کہ پوتا "اولاد" کے مفہوم میں براہ راست داخل نہیں ہے بلکہ اسے محض مجازی طور پر دادا کی اولاد کہہ دیا جاتا ہے - لہذا جہاں حقیقی اولاد موجود ہو وہاں پوتوں کو "اولاد" کے مفہوم میں داخل کر کے انہیں وراث نہیں بنایا جا سکتا - اس سلسلہ میں فقہ حنفی کے جلیل القدر امام شیخ الاسلام ابو بکر جصاص رازی رحہ اپنی مشہور کتاب "احکام القرآن" میں تحریر فرماتے ہیں کہ -

واسم الولد یتناول اولاد الابن کما یتناول اولاد الصلب -
قال اللہ تعالی (یا بنی آدم) ولا یمتنع احد ان یقول ان
النبی صلی اللہ علیہ من ولد ھاشم ومن ولد عبد المطلب
فثبت بذلك ان اسم الاولاد یقع علی ولد الابن و علی
ولد الصلب جمیعا - الا ان اولاد الصلب یقع علیھم ھذا الاسم
حقیقتاً ویقع علی اولادا لا بن مجازا و لذلك لم یرادوا
فی حال وجود اولاد الصلب ولم یشارکوھم ف سھامھم

وانما يستحقون ذلك في احد حالين ـ اما ان يعدم ولد الصلب رأسا فيقومون مقامهم واما ان لايحوز ولد الصلب الميراث فيستحقون بعض لفضل اوجميعه فاما ان يستحقوا مع اولاد الصلب علي وجه الشركة بينهم كما يستحقه ولد الصلب بعضهم مع بعض فليس كذلك (احكام القرآن ص ۱۰۱-۱۰۲ ج مطبعه بہیه مصريه ۱۳۴۷ھ)

''ولد'' کا لفظ جیسا کہ صلبی اولاد کو شامل ہوتا ہے اسی طرح پوتوں کو بھی شامل ہوتا ہے - حق تعالیٰ نے بار بار قرآن کریم میں ''یا بنی آدم'' (اے آدم کی اولاد) فرمایا ہے اور کوئی شخص یہ نہیں کر سکتا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہاشم کی اولاد اور عبدالمطلب کی اولاد میں شمار نہ کرے ـ اس سے ثابت ہوگیا کہ ''اولاد'' کا لفظ صلبی بیٹوں اور پوتوں دونوں پر ہی بولا جاتا ہے - البتہ صلبی بیٹوں پر اس لفظ کا استعمال حقیقی معنی میں ہوتا ہے اور پوتوں پر مجازی معنے میں (لیکن اس کی تردید آگے آ رہی ہے) یہی وجہ ہے کہ (فقہ کی رو سے) صلبی اولاد موجود ہونے کی صورت میں ''اولاد'' کے لفظ سے پوتے مراد نہیں ہوتے اور وہ صلبی اولاد کے ساتھ ان کے حصوں میں شریک نہیں بنتے ـ بلکہ صرف دو صورتوں میں وراثت کے مستحق ہوتے ہیں - پہلی صورت تو یہ ہے کہ صلبی اولاد موجود ہی نہ ہو تو پوتے ان کے قائم مقام ہو جاتے ہیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ صلبی اولاد پوری میراث کو حاصل نہ کر سکے تو جو حصہ بچ جاتا ہے اسے پوتے حاصل کر لیتے ہیں - لیکن صلبی اولاد کے ساتھ برابر کے شریک کی حیثیت سے ان کا حصہ نہیں بنتا۔ یعنی جیسا کہ صلبی اولاد ایک دوسرے کے ساتھ برابر کی شریک ہو جاتی ہے - پوتے اس طرح شریک نہیں ہوتے -

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ شیخ الاسلام امام رازی رح نے اپنے اس اقتباس میں اس بات کو تسلیم فرما لیا ھے کہ ''اولاد'' کے مفہوم میں صلبی بیٹے اور پوتے دونوں شامل ھیں ۔ البتہ امام موصوف نے یہاں اتنا ضرور فرمایا ھے کہ صلبی بیٹے ''اولاد'' کے مفہوم میں حقیقی معنی کے اعتبار سے داخل ھیں اور پوتے مجازی معنے کے اعتبار سے ۔ لیکن یہ تفریق بڑی حد تک مخدوش ھے جیسا کہ ان اعتراضات سے ظاھر ھے جو اس ضمن میں خود امام صاحب موصوف نے آگے چل کر بیان فرمائے ھیں ۔ ان اعتراضات کے جو کچھ جوابات دئیے گئے ھیں وہ بہت کمزور ھیں جیسا کہ ھم آگے چل کر بتائیں گے ۔ ان جوابات کی کمزوری کا خود امام صاحب موصوف کو بھی احساس ھے ۔ بہرحال اب ان اعتراضات و جوابات کو دیکھئے ۔ امام صاحب موصوف فرماتے ھیں کہ۔

فان قیل لما کان الاسم یتناول ولد الصلب حقیقة و ولد الابن مجازالم یجز ان یرادوا بلفظ واحد لامتناع کون لفظ واحد حقیقة و مجازا ۔ قیل له انهم لم یرادوا بلفظ واحد في حال واحدة ۔ متی وجد اولاد الصلب فان ولد الابن لا یستحقون المیراث معهم بالایة ۔ ولیس یمتنع ان یراد ولد الصلب فی حال وجودهم و ولد الابن فی حال عدم ولد الصلب فیکون اللفظ مستعملا في حالین ۔ فی احدیهما هو حقیقة و فی الاخری هو مجاز

(احکام القرآن ص ۱۰۲ ج ۲ مطبوعہ بہیہ مصریہ سنہ ۱۳۴۷ھ)

پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ''ولد'' کا لفظ جب کہ صلبی اولاد پر حقیقی معنوں میں بولا جاتا ھے اور پوتوں پر مجازی معنوں میں تو حقیقی معنے اور مجازی معنے بیک وقت کس طرح مراد ھو سکتے ھیں ؟ کیونکہ ایک ھی لفظ ایک ھی مقام پر حقیقی معنی اور مجازی معنے ، دونوں معنوں میں مستعمل نہیں ھو سکتا ۔ تو اس کا جواب یوں دیا جائے گا کہ حقیقی معنے اور مجازی

معنے دونوں ایک ھی حالت میں مراد نہیں ہوتے چنا چہ جب صلبی اولاد موجود ھوتی ھے تو پوتے ان کے ساتھ وارث نہیں ھوتے ۔ اور اس میں کوئی قباحت نہیں ھے کہ جب صلبی اولاد موجود ھو تو '' اولاد '' کے لفظ سے وھی مراد ھوگی اور جب اولادموجود نہ ھو تو اس سے پوتے مراد ھو جائیں گے اور وہ وراث بن جائینگے لہذا یہ لفظ مختلف حالتوں میں مختلف معنوں میں مستعمل ھو گا ۔ ایک حالت میں حقیقی معنوں میں اور دوسری حالت میں مجازی معنوں میں ۔

لیکن یہ جواب کس قدر کمزور ھے ۔ وہ محتاج بیان نہیں ھے ۔ '' اولاد '' کا لفظ اس آیت میں یا تو حقیقی معنوں میں استعمال ھونا چاھئے یا صرف مجازی معنوں میں کیونکہ اصول یہ ھے کہ ایک لفظ جب کسی مقولہ میں استعمال کر لیا جائے تو اسے یا تو حقیقی معنوں میں استعمال ھونا چاھئے یا مجازی معنوں میں ۔ اسے حقیقی اور مجازی دونوں معنوں میں مستعمل نہیں مانا جاسکتا لہذا یہ نہیں ھو سکتا کہ ایک ھی لفظ کو ایک ھی مقام پر کبھی حقیقی معنوں میں لے لیا جائے اور کبھی مجازی معنوں میں۔ ھم جب کہتے ھیں کہ زید '' شیر '' ھے یعنی بہادر ھے ۔ اور ھم نے ''شیر'' کے لفظ کو مجازی معنوں میں استعمال کر لیا ھے تو ھم یہ نہیں کہ سکتے کہ کسی دوسری حالت میں ، '' شیر '' کا لفظ اسی فقرہ میں حقیقی معنی میں بھی مستعمل مانا جاسکتا ھے اور زید کو حقیقۃ شیر یعنی ایک درندہ بھی مانا جاسکتا ھے ۔ اسی طرح جب ھم کہتے ھیں کہ ''ھم نے چڑیا گھر میں مشرقی پاکستان کا شیر دیکھا '' اور '' شیر '' کے لفظ کو ھم نے اس فقرہ میں اس کے حقیقی معنوں میں استعمال کر لیا ھے تو ھم یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ اسی فقرہ میں '' شیر '' کے معنی کسی دوسری حالت میں مجازی بھی ھو سکتے ھیں اور اس سے مثلاً مولوی فضل الحق صاحب مرحوم شیر بنگال بھی مراد لئے جاسکتے ھیں ۔

اگر یوصیکم اللہ فی اولادکم میں اولاد کے لفظ سے صلبی بیٹے اور پوتے دونوں مراد لئے جاتے ھیں خواہ وہ مختلف حالتوں ھی میں کیوں نہ ھوں تو اس کے معنے یہی ھوں گے کہ '' اولاد '' کا لفظ اپنے حقیقی معنے کے اعتبار

سے ان دونوں ہی کو شامل ہے - لہذا اس اصول کا تقاضا یہی ہے کہ یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ '' اولاد '' پوتوں کے لئے بھی حقیقی معنے ہی میں استعمال ہوتا ہے اور یہ کہنا غلط ہے کہ وہ صلبی بیٹوں کے لئے حقیقی معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور پوتوں کے لئے مجازی معنوں میں - حالتوں کا فرق در حقیقت کوئی اہمیت نہیں رکھتا -

پھر اگر بر سبیل تنزل حالتوں کے اس فرق کو تھوڑی دیر کے لئے تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کا کیا جواب ہے کہ خود امام رازی رحمۃاللہ علیہ بھی اس امکان کو تسلیم فرما رہے ہیں کہ بعض حالتیں ایسی بھی ہیں کہ صلبی اولاد پوری میراث کو حاصل نہ کر سکے تو جو حصہ بچ جاتا ہے اسے پوتے حاصل کر لیتے ہیں - ایسی صورتوں میں ظاہر ہے کہ '' اولاد '' کا لفظ بیک وقت اور بیک حالت صلبی اولاد کے لئے بھی اور پوتوں کے لئے بھی مستعمل ماننا پڑے گا - کیونکہ ان صورتوں میں پوتوں کو ترکہ کا بقیہ حصہ متوفی کی اولاد ہونے کی حیثیت ہی سے دیا جاتا ہے - لہذا ایک ہی لفظ کو ایک ہی وقت اور ایک ہی حالت میں حقیقی اور مجازی معنوں میں مستعمل ماننا پڑے گا جو بہر حال خلاف اصول ہے - لہذا حالتوں کے اختلاف کا عذر اس اعتراض سے بچنے کے لئے کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں کرتا - اصول کی مخالفت کا اعتراض علی حالہ قائم رہتا ہے - لہذا صحیح بات یہ ہے کہ اولاد کا لفظ اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہے اور وہ صلبی بیٹوں اور پوتوں سب کے لئے یکساں بولا جاتا ہے اور اس کے یہ معنی مجازی نہیں بلکہ حقیقی ہوتے ہیں -

(مسلسل)